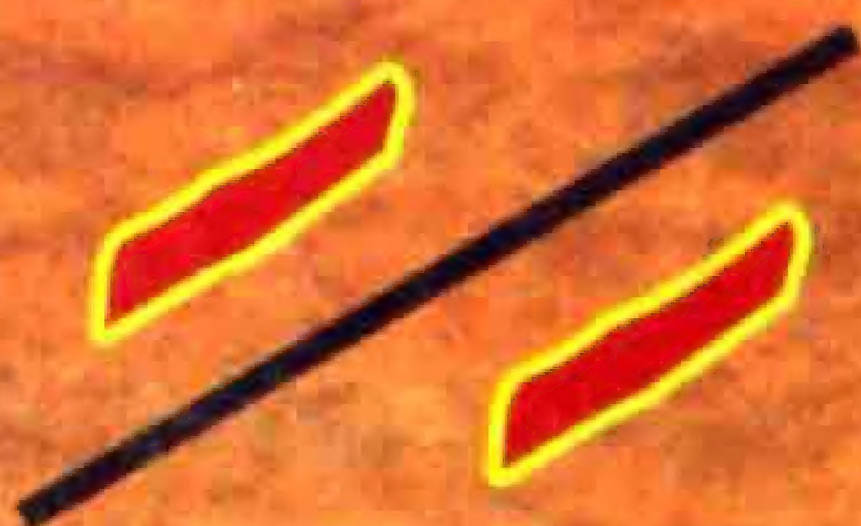


نہرو نرہر



علامہ ارشد القادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

زیر و زبر

علامہ ارشد القادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

www.marfat.com

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	زیر وزیر
مصنف	علامہ ارشد القادری
تاریخ اشاعت	اگست 2000ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا گنج بخش روڈ، لاہور
قیمت	90/- روپے

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:- 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:- 7225085

فیکس نمبر:- 042-7238010

www.marfat.com

Marfat.com

جمشید پور جیل کی ایک خوبصورت یادگار

اعلان کے مطابق اس کتاب کو کئی سال پیشتر منظر عام پر آ جانا چاہئے تھا۔ لیکن غیر معمولی تاخیر کی وجہ کچھ تو میری کاہلی ہے اور کچھ گونا گوں قسم کی مصروفیات ہیں اور سب سے بڑی وجہ ملک کے طول و عرض میں وہ مسلسل اسفار ہیں جو تبلیغی، تنظیمی اور جماعتی مسائل کے سلسلے میں مجھے پیش آتے رہے۔

کئی بار کوشش کی کہ سفر کے دوران تصنیف کا سلسلہ جاری رکھوں۔ لیکن تجربہ یہ ہوا کہ تصنیفی کام کے لئے یکسوئی اور یکجائی شرط اولین ہے۔ ایک بار تنگ آ کر چند دنوں کے لئے میں ساری دنیا سے کٹ کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا اور تصنیف کا کام شروع کر دیا۔ ابھی کتاب کا ایک تہائی حصہ ہی مرتب ہو سکا تھا کہ پھر حالات کے دباؤ نے مجھے جماعتی مصروفیات کی طرف دھکیل دیا۔ اس کے بعد کئی بار ارادہ کیا کہ باقی دو حصوں کی ترتیب کا کام شروع کر دوں لیکن امروز و فردا پہ ٹلتے ٹلتے کئی سال بیت گئے۔

یہاں تک کہ اپریل 79ء میں جمشید پور کا وہ قیامت خیز سانحہ پیش آیا۔ جس کی دھمک پوری دنیا میں محسوس کی گئی۔ آگ اور خون کا طوفان کھتم جانے کے بعد ہزاروں لئے بچے مظلوم مسلمانوں کی امداد آباد کاری کا سوال کھڑا ہو گیا کئی مہینے کے لئے فیض العلوم کی عمارتیں اور آس پاس کے میدان پناہ گزینوں کے کیمپ میں تبدیل ہو گئے۔

ابھی ہماری زندگی کا کھویا ہوا قرار بھی ہمیں واپس نہیں ملا تھا اور اجڑے ہوئے لوگ اپنے اپنے گھروں میں اطمینان کا سانس بھی نہیں لے پائے تھے کہ فرقہ پرستوں کی سازش سے 28 اگست 1979ء کو دوبارہ پھر فساد پھوٹ پڑا۔ اس بار بھی مدرسہ فیض العلوم کی عمارتوں اور آس پاس کے میدانوں میں کئی ہزار پناہ گزینوں کی بھیڑ جمع ہو گئی اور بہت دنوں تک پھر ہمیں میزبانی کے فرائض انجام دینے پڑے۔

31 اگست کو مسٹر وائی بی چوہان وزیر داخلہ حکومت ہند اور شری فضل الرحمن وزیر محنت حکومت ہند جو نہایت متعصب قسم کے ہمارے مذہبی حریف بھی ہیں۔ جمشید پور آئے فیض العلوم میں پناہ گزینوں کے کیمپ کا بھی انہوں نے معائنہ کیا۔ ان کی واپسی کے تھوڑی دیر ہی کے بعد مجھے لوگوں نے خبر دی کہ بی ایس ایف اودھسی آرپی کے کئی سوجوان مدرسہ کا محاصرہ کر رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ میری گرفتاری کے لئے آئے ہیں۔ میں بھی تیار ہو کر اپنے دارالافتاء میں آ کر بیٹھ گیا اور ان کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس انسپکٹر اپنی فورس کے ساتھ مدرسہ میں داخل ہوئے اور مجھے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد تین گھنٹے تک پورے مدرسے کی تلاشی لی گئی۔ لیکن کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی۔ ایک رات حراست میں رکھنے کے بعد مجھے جیل میں بھیج دیا گیا۔

جیل کی زندگی

جیل کا تصور ویسے تو بڑا بھیانک ہوتا ہے، لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ تزکیہ نفس، روحانی بالیدگی، ذکر و فکر اور لکھنے پڑھنے کے لئے سکون اور تنہائی کے جو قابل رشک لمحات یہاں میسر ہیں وہ باہر مشکل سے ہی نصیب ہوتے ہیں۔

یہ بھی خدا کا فضل ہے کہ مجھے جیل میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہے ہر روز صبح کو یہاں کے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پیشتر مجھے کھول دیا جاتا ہے سب سے پہلے میں ضروریات سے فارغ ہو کر غسل کرتا ہوں۔ پھر جیل کے پارک میں ایک امرود کے درخت کے نیچے مصلیٰ بچھا کر نماز فجر ادا کرتا ہوں۔ پھر معمولات و وظائف سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر چہل قدمی کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں ناشتہ کر کے تین چار گھنٹے تک لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔

اس سلسلے میں جن کتابوں کی مجھے ضرورت پیش آتی ہے انہیں اپنے کتب خانہ سے منگوانے کے سوا کوئی دشواری نہیں پیش آتی کہ خفیہ محکمے سے منظوری حاصل کرنے میں کئی کئی دن صرف ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد دوپہر تک ملاقاتوں اور مسلمان قیدیوں کی تذکیر و اصلاح میں گزارتا ہے۔ پھر کھانا کھا کر ظہر کی نماز سے فارغ ہوتا ہوں۔ اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتا

ہوں۔ پھر عصر سے لے کر عشاء کے بعد تک اسی امرود کے درخت کے نیچے اور اردو وظائف میں مشغول رہتا ہوں۔

اصلاح و تذکیر کی یومیہ نشستوں کے علاوہ سرکار غریب نواز کی چھٹی شریف اور حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت کے یوم وصال پر محافل میلاد بھی دھوم دھام سے منعقد ہوئیں جن میں مسلمانوں کے علاوہ جیل کے حکام اور دوسرے غیر مسلم حضرات بھی شریک ہوئے۔

وہ وقت بڑا ہی رقت انگیز اور کیف آور تھا جب یانہی سلام علیک کا نوارانی نغمہ جیل کی فصیلوں سے ٹکرایا اور ساری فضا معطر ہو گئی۔ عشاق پر کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ دل و فاپیشہ نے باور کر لیا کہ سرکار نے اپنی امت کے اسیروں کا سلام ضرور قبول کر لیا۔

کنے کے لئے مجھے جیل پہنچانے میں ظلم ہی کا ہاتھ ہے۔ لیکن یہ کتنا خوبصورت ظلم ہے کہ جو میرے برسوں کی آرزو کی تکمیل کا ذریعہ بن گیا کہ ”زیروزبر“ کا دو تہائی حصہ جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے آج مکمل ہو گیا۔

میری گرفتاری پر نہ صرف اہل سنت کی کل ہند تنظیموں، تعلیمی اداروں اور عوام و خواص نے ملک گیر بے چینیوں کا مظاہرہ کیا بلکہ برصغیر ہند کے طول و عرض میں اردو کے ممتاز اخبارات و رسائل اور بیشتر سیاسی رہنماؤں نے بھی میری گرفتاری کے خلاف کھلے لفظوں مذمت کی۔

میں صمیم قلب سے ان سب کی غم گسار ہمدردوں کا شکر گزار ہوں۔

لیکن یہ بھی زندہ جاوید حقیقت ہے کہ اگر مجھے اسیری کے یہ قابل رشک لیم میسر نہ آئے ہوتے تو ”زیروزبر“ جیسی یہ خوبصورت فکر انگیز اور بصیرت افروز کتاب وجود میں نہ آتی ”زیروزبر“ کی تکمیل کے بعد میں ”دینی نصاب“ کے نام سے عامہ مسلمین کو دین سے روشناس کرانے اور ان کے اندر اسلامی زندگی کی اسپرٹ پیدا کرنے کے لئے ایک نہایت مفید اور جامع کتاب کی ترتیب کا کام شروع کر رہا ہوں۔

اگر قید و بند کی مدت طویل ہو گئی تو جیل ہی میں اسے بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ضرورت کو شش کروں گا۔

آج میں نے چالیس دن کا ایک چلہ پورا کر لیا اب یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ مجھے اور کتنے دن یہاں رہنا ہے۔ جب سے مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ میں جیل میں نہیں بلکہ اسلام کے مشن پر ہوں تب سے میری نظر میں اسیری کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے۔

جیل میں اپنی ملت کے جوانوں کی قابل رشک امنگوں اور فلک پیاہمتوں کا جب جائزہ لیتا ہوں تو بے ساختہ یہ آرزو دل میں مچلنے لگتی ہے کہ ہر نو جوان کو اس طوفان سے آشنا ہو جانا چاہئے۔

راستہ ایک ہے ہم عشق کے دیوانوں کا
قدو گیسو سے چلے دارو رسن تک پہنچے

اپنے محبوب کا اسیر

ارشاد القادری

سامکھی جیل، جمشید پور

10 اکتوبر 79ء

خون کی سرخی

غالباً اکتوبر کے شمارہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ایڈیٹر تجلی کے قلم سے یہ جملہ نکل گیا تھا کہ بریلوی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم حاصل تھا ذاتی تھا کسی کا (یعنی خدا کا) عطا کردہ نہیں تھا۔

اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے قارئین تجلی کے سینکڑوں خطوط ہمیں حاصل ہوئے ہیں اور ہم سے اس بات کا ثبوت طلب کیا گیا ہے کہ کس کتاب میں کس بریلوی عالم نے یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم حاصل تھا وہ عطائی نہیں ذاتی تھا۔

اس عرصہ میں ہم نے بریلوی لٹریچر کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ فی الواقع ہم ہی سے غلط بیانی ہو گئی ہے۔ کسی بھی فرقے کے طرف غلط بات منسوب کر دینا انتہائی درجے کی بے احتیاطی ہے۔ خدا ہماری اس بے احتیاطی کو معاف کرے۔

ادارہ یہ ماہنامہ تجلی دیوبند

بابت جنوری 1978ء

ص 7

اعتراف

ایک مراسلہ منجانب سید بدر عالم نازاں۔ جو گجینی۔ ضلع پورنیہ، بنام مدیر تجلی

دیوبند

خدا کا شکر ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے راہِ حق پر گامزن ہوں اور ہمیشہ مجھے علماء حق سے محبت اور علماء سوء سے نفرت رہی ہے۔ میں اپنے اکابر کی کتابیں برابر پڑھتا رہا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ ہمارا محبوب رسالہ تجلی یہاں گمر گمر میں داخل ہو جائے میں نے از خود بہت سے لوگوں سے گزارش کی ہے کہ آپ لوگ ہمارے پاس تجلی کی سالانہ رقم جمع کر دایں میں دفتر تجلی کو روپیہ روانہ کر دوں گا تاکہ لوگوں کے نام سے تجلی جاری ہو جائے ابھی صرف چار آدمی تیار ہوئے ہیں اور تجلی کا سالانہ چندہ ہمارے پاس جمع کرا گئے ہیں اور تقریباً چھ آدمی اور تیار ہو گئے ہیں۔

مگر ایک تبلیغی جماعت کے امیر مولانا منت اللہ صاحب کے مرید ہیں اور اپنے کو فاضل مدرسہ رحمانیہ مونگیر (بہار) بتلاتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں میں یہ شور مچانا شروع کر دیا ہے کہ مولانا عامر عثمانی نے جو تجلی کے سابق ایڈیٹر تھے مولانا ارشد القادری سے دس ہزار روپیہ رشوت لے کر ان کی کتاب ”زلزلہ“ پر تعریفی تبصرہ کیا تھا اور آخر میں یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ میں آج سے مسلک دیوبند چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ یہ مسلک باطل ہے اور مسلک بریلوی قبول کرتا ہوں۔ جس کو دیکھنا ہے دیکھ لو تجلی ڈاک نمبر۔

میں نے کہا مولوی صاحب آپ کو نقاد اعظم مولانا عامر عثمانی کی شان میں گستاخی کرنے سے کیا فائدہ ہو گا اگر لوگ تجلی کے خریدار بن جائیں گے تو آپ کی تبلیغی جماعت کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ یہ کیوں کہتے پھر رہے ہیں کہ چلہ لگانا اور صرف تبلیغی جماعت کا ساتھ دینا ہی سنت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے تجلی پڑھا ہے اس میں تحریر ہے کہ

ہمارے پاس جان چھڑانے کا ایک یہ راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ۔ صراطِ مستقیم، تحذیر الناس، بہشتی زیور، جیسی کتابوں کو چوراہوں پر رکھ کر آگ لگادی جائے میں نے کہا یہ سب کتابیں کوئی حدیث یا قرآن تو ہیں نہیں۔ کہ مذہب اسلام کی روح کو ٹھیس پہنچے گی۔ مگر مولوی صاحب ہم کو یہ کہہ کر جھوٹا کتے ہیں کہ یہ تجلی کا چمچہ ہے۔

ایسی ایسی باتیں سن کر یہاں لوگوں میں خلفشار پیدا ہوا ہے کہ جب دیوبند کے اتنے بڑے عالم نے توبہ کر کے بریلوی مسلک قبول کر لیا تو وہی مسلک ٹھیک ہے اور ہمیں اس کی اتباع کرنی چاہئے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا کریں اور کس طرح اس خلفشار کو ختم کریں۔ اور ان مولوی صاحب کے ساتھ ہمارا برتاؤ کیا ہو جو تبلیغی جماعت کے امیر ہیں اور عوام میں ایسی بے چیدیاں پھیلا رہے ہیں۔

ص 52: تجلی ستمبر نومبر 1986ء

جواب من جانب مدبر تجلی دیوبند

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب احتیاط اور ذمہ داری نام کی کوئی چیز دنیا میں باقی نہیں رہی ہے۔ تب ہی تو دین و مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی زبان بھی قطعاً بے لگام ہو کر رہ گئی ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں تولہ بھر بھی خوفِ آخرت اور خدا ترسی موجود ہوتی ہے وہ بھی زبان چلاتے وقت شاید اتنی بد احتیاطی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کر سکیں جتنی بد احتیاطی اور دیدہ دلیری کا ثبوت تبلیغی جماعت کے اس رکن نے پیش کیا ہے جو حسن اتفاق سے مولانا منت اللہ صاحب بہاری کے مرید بھی ہیں۔

کسی بزرگ سے مرید ہو جانے اور تبلیغی جماعت میں چلہ کشی کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ نفس کی اصلاح ہو، چہروں پر عاجزی بکھرے دلوں میں نورانیت پیدا ہو اور آدمی اس نفس کی غلامی سے نجات حاصل کرے جو بسا اوقات انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔

لیکن یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ موجودہ زمانے میں بزرگوں سے واسطہ قائم کرنے میں اور تبلیغی جماعت میں درجنوں چلہ دینے کے بعد بھی ہمارے نفسوں کی اصلاح نہیں ہو پاتی ہم چلہ نشی اور وظائف خوانی کے بعد بھی اتنے بد احتیاط غیر ذمہ دار اور احتسابِ آخرت سے بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ جتنے تبلیغی جماعت کا رکن بنے اور کسی بزرگ کا حلقہ بگوش ہونے سے پہلے تھے۔

آخر کس کام کی وہ چلہ کشی اور پیری مریدی جو ایک مسلمان کو محتاط اور متقی نہ بنا سکے جو مسلمان کے دل میں خدا کے خوف اور فکرِ آخرت کا جذبہ پیدا نہ کر سکے جو دل کو نرمی اور خشیتِ عطا نہ کر سکے۔

کیا خدا سے ڈرنے والے اور احتساب کا فکر رکھنے والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جو منہ میں آیا بک دیا اور جو چاہے الزامات دوسروں پر عائد کر دیئے نہ خوفِ خدا نہ شرمِ دنیا اور

نہ پاس ایمان داری۔

تبلیغی جماعت میں ایسے افلاطون کی تو کی نہیں جو چلہ کشی اور گشت بازی کو سنت رسول قرار دیتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ سب اسوہ رسول کے ذیل میں درج ہو رہا ہے لیکن ایسے افلاطون سے ملنے کا شرف آج ہمیں پہلی بار ہوا ہے جو دن دھاڑے یہ دعویٰ کرتا ہو کہ فی نفسہ تبلیغی جماعت کا ساتھ دینا بھی سنت ہے اور اسوہ رسول کی اتباع کرنے کے مترادف ہے۔

ایک نیم خواندہ مسلمان بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ سنت فعل رسول کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ کام جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل اور غیر مستقل طور پر انجام دیا ہو۔ تبلیغی جماعت سے رشتہ قائم کرنے کو سنت قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ کہنے والا پس پردہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ بعینہ یہ جماعت آنحضور کے عہد مبارک میں بھی موجود تھی اور آنحضور نے اس سے رشتہ و تعلق قائم کر کے اس کے سنت رسول ہونے کا ثبوت فراہم کیا تھا۔

(چند پیراگراف کے بعد) ہمارے دیوبند میں کتنے ہی دیوبندی ایسے ہیں جو شب برات کے موقع پر حلواینانے کے قائل ہیں۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ اس قسم کے دیوبندی حضرت کسی نہ کسی دیوبندی عالم اور دیوبندی بزرگ سے وابستہ بیعت بھی ہیں اور بزرگان دیوبند کی مجلسوں میں آمد و رفت بھی رکھتے ہیں۔

دامن دیوبند میں بزرگوں کی ان گنت مزار بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں کئی مزاروں پر ”روشنی“ کے عنوان سے چھوٹے موٹے عرس بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان عرسوں میں ان علماء کے صاحب زادے مٹر گشت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جنہیں دیوبندیوں کی ناک سمجھا جاتا ہے۔

(چند سطروں کے بعد) مولانا عامر عثمانی حق پرستی کے ناطے اس بات کے قائل تھے کہ حق حق ہے خواہ وہ غیروں نے اپنا رکھا ہو اور باطل باطل ہے۔ خواہ وہ اپنوں کی پیشانی کا جھومر بنا ہو۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس سفیدی کو حتی الامکان باور کرایا جائے جو دشمن کی دیواروں پر موجود ہے اور کالس کی ایزی چوٹی زور لگا کر سفیدی قرار دینے کی

کو شش کی جائے جو دوستوں کی دیواروں پر بکھری ہوئی ہے۔

دنیا کا چکر لگا لیجئے ہر دانش مند اور عدل پسند آدمی کی رائے یہی ہوگی کہ اچھائی بہر حال اچھائی ہے خواہ بیگانوں کی ذات کا جزو ہو اور برائی بہر حال برائی ہے خواہ وہ اپنوں کی شخصیت کا حصہ ہو۔

آپ خود ہی سوچئے کہ جن واقعات کی تردید کرتے ہوئے ہم نے بریلویوں پر یلغار کی ہے ان سے مناظرے کئے ہیں۔ ان سے دو بدو لڑے ہیں۔ اسی جیسے واقعات اگر بعض بریلوی ذہن رکھنے والے دیوبندیوں نے اپنی تصانیف میں اکٹھے کر دیئے ہوں تو کیا ان کی تردید کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے کیا ان پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا ہی دیوبندی ہونے کی علامت ہے۔

مولانا عامر عثمانی کا جرم فقط یہی تو تھا کہ انہوں نے ان واقعات کو دیوار پر مارنے کی رائے دی تھی جو اپنے بزرگوں کی عظمت واضح کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں اور جو اپنے اندر وہی دیوملائی رنگ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے بریلوی مسلک کو ناقص اور گمراہ قرار دیا گیا ہے۔

زلزلہ کے مصنف جناب ارشد القادی نے دیوبندی کتابوں سے کچھ ایسے واقعات نکال کر دکھائے ہیں جنہیں ہم ہمیشہ مسترد کرتے آئے ہیں۔ اس چیلنج کے ساتھ کہ ان سے عقائد کے اندر دراڑ پیدا ہوتی ہے۔ ان واقعات کو پڑھنے کے بعد مولانا عامر عثمانی نے ڈاک نمبر میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا وہ لفظ بہ لفظ یہ ہے۔

”حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف تھانوی جیسے بزرگ جب فتوے کی زبان میں بات کرتے ہیں تو ان احوال و عقائد کو بر ملا شرک، کفر اور بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں۔ جن کا تعلق غیب کے علم اور روحانی تصرف اور تصور شیخ اور استمداد بالارواح جیسے امور سے ہے۔ لیکن جب طریقت و تصوف کی زبان میں کلام کرتے ہیں تو یہی سب چیزیں عین امر واقعہ عین کمال ولایت اور عین علامت بزرگی بن جاتی ہیں۔“

(اقتباس ماہنامہ تجلی دیوبند)

(بابت دسمبر و نومبر 1976ء از ص 51 تا 54)

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

الحمد لله رب العالمين O والصلوة والسلام على خاتم النبيين O
وعلى آله واصحابه وحزبه عليهم اجمعين O

ابتدائیہ

عنایت خداوندی ہے کہ وہ ارجمند گھڑی تھی جب زلزلہ نام کی ایک کتاب لکھنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ کون جانتا تھا کہ روشنائی کے چند قطرے سیل رواں بن کر اہل باطل کے مزعومات کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائیں گے۔ اور نوک قلم کا ڈالا ہوا اشکاف ہمیشہ کے لئے دشمن کے سینے کا ناسور بن جائے گا اور پھر کسے معلوم تھا کہ ایک مختصر کتاب دیکھتے دیکھتے بحر و بر میں پھیل جائے گی اور ایک چراغ کی لو سے ایمان و عقیدت کے شبتانوں میں لاکھوں چراغ جل اٹھیں گے۔

بلاشبہ یہ سراسر احسان ہے اس خالص لوح و قلم کا جس کے دست قدرت میں انسانی قلوب کی کنجیاں ہیں کہ اس نے اپنے حبیب مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و دفاع میں اٹھے ہوئے ایک قلم کو عزت و اقبال کی سر بلندی بخشی اور اسے قبول عام کا اعزاز مرحمت فرمایا۔!

اور یہ بھی اس رحمت کا سراز کا تصرف ہو کہ اخلاص و عقیدت کے اس نقش جمیل سے جہاں مومنین کے چہرے یا سمین و نسترن کی طرح کھل اٹھے وہاں اہل باطل کے سلگتے ہوئے جگر کا اضطراب بھی چھپائے نہیں چھپ سکا۔ یہ دیوبند کے منصوعی مذہب پر ایسی

کاری ضرب تھی کہ جس نے مرکزی قیادت کی بنیاد ہلا کر رکھ دی اور زلزلہ کی زد سے اپنے عوام کے بچانے کا سوال ان کے لئے وقت کا سب سے بڑا آزار بن گیا۔
زخموں کی ٹیس

واضح رہے کہ یہ اپنے ہی قلم سے اپنی کتاب کی تحسین نہیں ہے بلکہ ان شکاریوں کا برملا اعتراف ہے جنہوں نے اپنی کمین گاہوں کو اپنی آنکھوں سے تباہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور جن کے ٹوٹے کھنڈرات سے زلزلہ کی قیامت خیزیوں کا ماتم آج بھی صاف سنائی دیتا ہے۔ چنانچہ ”بریلوی فتنہ“ کا مصنف اپنی جماعت کے ناخدا مولوی منظور نعمانی کی بارگاہ میں زلزلہ کے خلاف استغاثہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

حال ہی میں ایک صاحب کے ہاتھ میں ”زلزلہ“ نام کی ایک کتاب پر نظر پڑی اس کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ بریلوی جماعت کی طرف سے یہ کوئی نئی کتاب لکھی گئی ہے اور اس کا طرز وہ نہیں ہے۔ جواب تک ان کتابوں کا رہا ہے میں نے ان صاحب سے اس کتاب کو ایک دو دن کے لئے لیا اور پڑھا۔

میرا احساس یہ ہے کہ یہ کتاب بہت سے لوگوں کے لئے گمراہی اور غلط فہمی کا باعث ہو سکتی ہے یہ قریباً دو سو صفحات کی کتاب ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بڑی پر فریب اور زہریلی کتاب ہے۔

(بریلوی فتنہ کانیا روپ۔ پبلائیڈیشن ص 8)

آگے لکھتا ہے :-

اس کے مصنف صاحب ارشد القادری ہیں۔ اس کتاب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں وہ بد زبانی اور بد تمیزی بالکل نہیں جو عام طور پر بریلویوں کی کتابوں میں ہوتی ہے۔ تکفیری جارحیت بھی نہیں مگر بڑی پر فریب کتاب ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ جو لوگ ان مباحث سے پوری طرح واقف نہیں ہیں وہ اس کے فریب کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ

ہمارے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے دینی مدارس کے بہت سے فضلاء بھی اس کے نفاق اور فریب کو نہیں سمجھ سکے۔

(پبلائیڈیشن ص 9)

دیکھ رہے ہیں آپ! ذہن کی مرعوبیت کا عالم؟ فکر کی گندگی نے کتاب کو چیتان بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب اس کا سمجھنا ہی مشکل ہے تو جواب کا مرحلہ کتنا سنگین ہو گا یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اب مولوی منظور نعمانی صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

تمہارا ملفوف خط ملا۔ پچھلے دو تین مہینوں میں مختلف مقامات سے کئی ایسے خطوط آئے جن میں اس کتاب زلزلہ کا تذکرہ تھا۔ میں نے حسب عادت سرسری جواب دے دیا کہ میں اس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اب اس موضوع کی طرف توجہ کرنے سے معذور سمجھا جائے۔

پھر گزشتہ مہینہ میں جب مخدومناشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا مدظلہ حجاز مقدس تشریف لے جا رہے تھے تو ان کو رخصت کرنے کے لئے یہ عاجز بھی بھیج دیا گیا۔ وہاں سے گجرات، سورت، راندیر وغیرہ بھی جانا ہوا تو وہاں بھی بعض حضرات نے اس کتاب کا تذکرہ کیا پھر انہوں نے کہیں سے ایک نسخہ لا کر مجھے عنایت فرمایا۔

واپسی میں ٹرین میں اسے کچھ دیکھنے کا موقع مل گیا۔ میں نے اس کتاب کو اتنا خطرناک تو نہیں سمجھا جتنا تم نے محسوس کیا ہے لیکن یہ رائے میری بھی ہے کہ اس کے مصنف نے بڑی فنکاری سے کام لیا ہے اور جنگ کے طریقے اور میدان کو بھی بدل دینے کی بڑی پر فریب کوشش کی ہے۔

(ص 10)

ہزار احتیاط کے باوجود خط کے بین السطور میں زلزلہ کے خلاف دیوبندی جماعت کی ملک گیر بے چینوں کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے ”میں نے اس کو اتنا خطرناک تو نہیں سمجھا جتنا تم نے محسوس کیا ہے۔“ یہ بھی کسی سہمے ہوئے بچے کو تسلی دینے کا جانا پھانا اسلوب ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

لیکن مجھے تمہاری اس رائے سے اتفاق ہے کہ اس کتاب کا ایسا جواب جو اس کے مصنف کی فنکارانہ فریب کاری کو اچھی طرح ظاہر کر دے ضروری ہے۔ (ص 14)

پھر بریلوی فتنے کے یہی مصنف اپنی اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ”زلزلہ“ کی اثر پذیر یوں کی بابت کھل کر اعتراف کرتے ہیں۔

سارے ملک میں اس کتاب کے اثر سے علماء دیوبند کے بارے میں سخت بدگمانیاں پھیلنے لگی تھیں۔ (ص 9 نیا ایڈیشن)

ماہنامہ تجلی دیوبند کے آنجہانی ایڈیٹر کا یہ اعتراف بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ بات یقیناً تشویشناک ہے۔ مصنف نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے کہ اوہر اوہر سے چھوٹے موٹے فقرے لے کر ان سے مطالب پیدا کئے ہوں۔ بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی پیدا نہیں کئے ہیں۔ ہم اگرچہ حلقہ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کو تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامتہ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا۔ جو اس کتاب کے مشملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

مگر یہ کتاب ”زلزلہ“ جو نقد جواب طلب کر رہی ہے اس سے عمدہ برآ

ہونے کی صورت آخر کیا ہوگی۔ اپنی کسی غلطی کو تسلیم کرنا تو ہمارے
 آج کے بزرگان دیوبند نے سیکھا ہی نہیں۔ انہوں نے صرف یہ سیکھا
 ہے کہ اپنی کہے جاؤ اور کسی کی مت سنو۔ انشاء اللہ اس کتاب کے
 ساتھ ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ (تجلی ذاک نمبر)
 اب اخیر میں زلزلہ کی بابت ”فاران“ کراچی کے ایڈیٹر جناب ماہر القادری کے
 بھی یہ گراں قدر تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا ارشد القادری نے زلزلہ نام کی کتاب مرتب فرمائی ہے۔ اس
 میں تصنیف و تالیف اور استدلال کا بڑا سلیقہ پایا جاتا ہے زبان اور اظہار
 بھی ادیبانہ ہے۔ (ص 32 فاران فروری 1977ء)
 دیوبندی اکابر کے ملفوظات سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 دیوبند کے اکابر کے ملفوظات ’دیوبند کے اصل عقائد نہیں ہیں۔ ان
 ملفوظات کے جو اقتباسات زلزلہ میں دیے ہیں ہم ان سے اپنی برات
 کا اظہار کرتے ہیں۔ (ص 46 فاران)

یہ اقتباسات بھی خصوصی توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ تحریر سے حسرت
 ناکام کا خون ٹپک رہا ہے۔

مولانا عامر عثمانی مرحوم مدیر تجلی دیوبند کے مشورے پر اگر علمائے
 دیوبند عمل کرتے ہیں اور اپنے اکابر کے غلط اقوال سے اظہار برات
 فرما دیتے تو زلزلہ نام کی کتاب وجود میں نہ آتی۔ (ص 32 فاران)
 قلوب و اذہان میں زلزلہ کے فکر انگیز تاثرات کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر
 فرماتے ہیں۔

زلزلہ ہاں! ایک کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔ یہ کہ جو مسلمان بدعات
 میں مبتلا ہیں اور شرک آمیز عقائد رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو پڑھ کر
 اپنے مسلک ضلال پر اور زیادہ مستحکم اور ثابت قدم ہو جائیں اور جو
 حضرات بدعات میں مبتلا نہیں ہیں وہ علمائے دیوبند کی تحریروں کے

اقتباسات پڑھ کر متزلزل ہو جائیں۔

(ص 45 فاران کراچی فروری 77ء)

زلزلہ کے جواب میں چھ کتابیں

زلزلہ کا یہی وہ رد عمل تھا جس نے پوری دیوبندی جماعت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا یہاں تک کہ زلزلہ کی زد سے اپنے عوام کو بچانے کا سوال ارباب حل و عقد کے لئے اتنا سنگین ہو گیا کہ ایک بار مدیر تجلی فرط اضطراب میں اپنے چارہ گروں کو یوں للکارنے پر مجبور ہو گئے۔

ہم تو جانیں کہ ہمارے دارالعلوم کے کوئی بلند قامت مناظر اور علامہ

ان تعریضات کا جواب لائیں جو زلزلہ نامی کتاب میں جمع کی گئی ہیں

مولانا ارشاد ہی یہ کام کر دیں تو ان کی کلاہ افتخار میں چار چاند لگ جائیں

۔۔

(تجلی مئی 1973ء ص 95)

بچارے ”مولانا ارشاد“ کے پاس کلاہ افتخار ہی کہاں تھی جس میں چار چاند لگتے۔ نام لے کر پکارے جانے کے باوجود پتھر کے بت کی طرح خاموش رہے۔ اور آج تک خاموش ہیں۔ البتہ دارالعلوم دیوبند کے کئی ممتاز اساتذہ اور دارالافتاء کے متعدد ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے اور نو ماہ کی عرق ریزی اور جاں فشانی کے بعد زلزلہ کے جواب میں ”انکشاف“ نام کی ایک کتاب لکھی جو اپریل 1974ء میں دیوبند سے شائع ہوئی۔

اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور دیوبندی مذہب کے مایہ ناز مناظر مولوی منظور صاحب نعمانی کی سرکردگی میں ”بریلوی فتنہ کا نیاروپ“ کے نام سے زلزلہ کے جواب میں دوسری کتاب مرتب ہوئی جو اگست 1974ء میں ادارہ الفرقان لکھنؤ سے منظر عام پر آئی۔

اس کے بعد پاکستان کے دیوبندی علماء کو متحدہ کوششوں سے زلزلہ کے جواب میں ”سیف حقانی“ کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی جو نومبر 1975ء میں شائع ہوئی۔

اس کے بعد دیوبندی مذہب فکر کے نوجوان علماء مشرقی یوپی سے اٹھے اور زلزلہ

کے جواب میں چوتھی کتاب بنام ”زلزلہ در زلزلہ“ مرتب فرمائی جو مبارک پور سے نومبر 1975ء میں شائع ہوئی۔

اس کے بعد برطانیہ کے مولوی خالد محمود نے ”دھماکہ“ کے نام سے زلزلہ کے جواب میں پانچویں کتاب مرتب فرمائی جو 1976ء میں دارالاشاعت کراچی سے شائع ہوئی۔ اسی ضمن میں ضلع ککھیم پور کھیری سے ایک فاصل دیوبند اٹھے اور انہوں نے زلزلہ پر زلزلہ کے نام سے چوتھے صفحے کا ایک کتابچہ راپور سے شائع کیا۔

زلزلہ کے جواب میں یہ وہ چھ کتابیں ہیں جو مجھے دستیاب ہو گئی ہیں لیکن وہ کتب اور رسائل جواب تک ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے ان کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے کہ وہ کتنے ہیں۔

بہر حال ایک کتاب کے جواب میں چھ کتابوں کا پے بہ پے منظر عام پر آنا واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ دیوبند برادری میں زلزلہ کے جواب کی اہمیت بالکل ایسی ہی تھی جیسے ہمالہ کی چوٹی کوئی سر کر لے۔ اس طرح دیوبندی اہل قلم کے لئے شہرت و ناموری حاصل کرنے کا یہ ایک نہایت زرین موقع تھا کہ وہ زلزلہ کے مجیب کی حیثیت سے اپنی جماعت میں نمایاں ہو جائیں۔ بلکہ دیوبندی برادری میں زلزلہ کے جواب کا اعزاز اتنا گراں قدر سمجھا جانے لگا کہ چھ میں سے تین تو ایسی ہیں کہ ان کے سرورق پر زلزلہ کے جواب کا صرف سائن بورڈ ہی ہے۔ ورق الٹتے تو زلزلہ کے اٹھائے ہوئے مباحث کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہے۔ ان کتابوں کے مصنفین نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ سائن بورڈ ہی لگا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوا لیں۔

البتہ تین کتابیں ایسی ہیں جنہوں نے غلط سلط جیسے بھی بن پڑا زلزلہ کے مباحث کو چھونے کی کوشش ہے۔ لیکن یہ تو آنے والے اوراق ہی بتائیں گے کہ انہوں نے جواب دے کر گلو خلاصی کی ہے اپنی گردنوں کے لئے اور نئے پھندے تیار کئے ہیں۔

وہ تین کتابیں یہ ہیں :- (1) انکشاف (2) بریلوی فتنہ کا نیاروپ (3) زلزلہ در

زلزلہ۔

واضح رہے کہ آنے والے اوراق میں میری جوابی تحریر کا تعلق انہی تین کتابوں سے ہے۔ باقی کتابوں کا تعلق چونکہ زلزلہ کے مباحث سے نہیں ہے اس لئے میں نے ان کتابوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ البتہ توفیق ایزدی اگر شامل حال رہی تو ان کے جارحانہ حملوں کے دفاع میں ایک مستقل تصنیف کر کے فرض سے بسکدوش ہونے کی کوشش کروں گا۔

.....

”میری یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ”انکشاف“ کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں ”بریلوی فتنہ“ کا محاسبہ کیا گیا ہے اور تیسرے باب کا تعلق ”زلزلہ در زلزلہ“ کے رد و ابطال سے ہے۔“

”زیر وزیر“ کا مطالعہ کرتے وقت تین باتیں آپ خاص طور پر محسوس فرمائیں گے۔

1. گالیوں و شتام طرازیوں اور لہانت آمیز تحریروں کا جواب دیتے ہوئے بھی ہم نے کہیں اپنی تحریر میں ”جواب آل غزل“ کا رنگ نہیں پیدا ہونے دیا خوب صورت طنز اور خوش گواری استعارات و کنایات کے علاوہ کسی جگہ بھی قلم کی شرافت اور زبان کا وقار مجروح نہیں ہوا ہے۔

2. دشمن کے حملوں کا دفاع کرنے کیلئے ہم نے باہر کا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا ہے۔ ان کی دلیلوں کو توڑنے، ان کے جوابات کو مسمار کرنے اور ان کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کرنے کیلئے ہم نے انہی کی تحریروں سے ”تیغ و سپر“ کا کام کیا ہے۔

یہیں سے آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ زلزلہ کے جواب میں لکھی ہوئی کتابیں اپنے مواد کے لحاظ سے کس درجہ نقائص و اغلاط اور قلم کی ناتجربہ کاریوں پر مشتمل ہیں۔

3. ہم نے پوری کتاب میں ایک مجیب کی حیثیت سے موضوع بحث کے دائرے کا احترام بہر حال ملحوظ رکھا ہے اور اپنے حریفوں کے خلاف قارئین کو مشتعل کرنے کے لئے قطعاً کوئی ایسی بحث نہیں چھیڑی ہے جسے جارحانہ حملے سے تعبیر کی جائے۔

آئینہ آئینہ سی لیکن
ترے پندار کا جواب تو ہے

ارشاد القادری

مکتبہ جام نور..... جمشید پور۔ (بہار)

23 اکتوبر 1978ء..... مطابق 1398ھ

انکشاف کا تنقیدی جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

پہلی بحث دلائل کے بیان میں

انکشاف نام کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو زلزلہ کے جواب میں دیوبند سے شائع ہوئی۔ چکانہ طرز تحریر، فکر و ذہن کی ناپختگی اور مضحکہ خیز بحث و استدال کے لحاظ سے یہ کتاب ہرگز اس قابل نہیں تھی کہ تنقیدی جائزہ کے ضمن میں اس کا نام بھی لیا جاتا لیکن اس بد نصیبی کو کیا کیجئے گا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے مرکزی دارالافتاء کے عمائدین نے اس کتاب کو ایک قابل اعتماد دستاویز کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کی شہادت پر اپنی ہر توثیق ثبت کر کے کتاب کے مندرجات کا اپنے آپ کو جواب دہ ٹھہرا لیا ہے۔

اس لئے آنے والے مباحث میں اصولی طور پر میرا دئے سخن قطعاً مفتیان دیوبند کی طرف ہو گا۔ اور یہ تنہا میرے ہی مطالعہ کا رد عمل نہیں ہے بلکہ مدیر تجلی مولانا عامر عثمانی نے بھی اپنے تبصرہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے جیسا کہ انکشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

”انکشاف“ کے آغاز میں حلقہ دیوبند کے تین نمائندوں کی تقریظیں موجود ہیں۔

www.marfat.com

Marfat.com

- (1) محترم مولانا حامد الانصاری غازی (2) محترم مفتی احمد علی سعید
(3) محترم مفتی ظفر الدین۔ ان تینوں حضرات نے کتاب کو سراہا ہے
اور اس جملہ کے بالقابل علم سے تعبیر کیا ہے۔ اب ہم جو کچھ عرض
کریں گے اس کا روئے سخن ان اساتذہ ہی کی طرف ہوگا۔

(تجلی دیوبند بابت نومبر 74ء ص 78ء)

پہلے اسے پڑھ لیجئے

اصل بحث کا آغاز کرنے سے قبل صحیح سمت میں فکر کی پیش قدمی کے لئے مندرجہ
ذیل نکات کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔
1. آنے والے اوراق میں آپ انکشاف کے اقتباسات پڑھ کر سخت گھٹن محسوس
کریں گے۔ اکثر مقامات پر غیر مہذب اور دل آزار جملوں سے آپ کا ذوق لطیف مجروح بھی
ہوگا۔ اور زبان و ادب اردو کے محاورے تذکیر و تانیث کی فاش غلطیوں اور مہمل فقرہوں سے
توپوری کتاب ہی داغدار نظر آئے گی لیکن دل پر جبر کر کے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ
اقتباسات کی ایک ایک سطر آپ کو پڑھنی ہے تاکہ علم اور جمل شرافت و دیانت اور
اندھیرے اور اجالے کے درمیان آپ واضح طور پر ایک خط فاصل کھینچ سکیں۔
مدیر تجلی مولانا عامر عثمانی بھی کرب کی اس منزل سے ایک بار گزر چکے ہیں۔ ان
کے مطالعہ کا رد عمل انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

انکشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں۔
کوئی بھی سلیم الطبع اور ذی فہم قاری ان کی کتاب سے سوائے پر اگندہ
خیالی اور تحیر کے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ بلکہ حسن انشاء کا ذوق
رکھنے والے تو شاید دس پانچ ورق سے زیادہ پڑھ ہی نہ سکیں۔

(تجلی نومبر 1974ء ص 78)

نگاہوں پر بوجھ نہ ہو تو زلزلہ کی شریف و سنجیدہ اور طیب و طاہر زبان کے جواب
میں مفتیان دیوبند نے جو زبان استعمال کی ہے ذرا اس کے بھی چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

انکشاف کی زبان

☆ مولانا رشد القادری نے علماء حق اکابر دیوبند پر کیچڑا چھالنے کی کوشش کی ہے جو کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ ہمیشہ سے علماء سوابلیس کے شاگرد کی یہ عادت رہی ہے۔ (انکشاف ص 10)

☆ افسوس مولانا رشد القادری کی فریب کاری اور افترا پردازی پر اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ (ص 13)

☆ مولف بھی اسی گروہ کے ایک فرد ہیں جن کا وجود مذہب اسلام کے لئے ہمیشہ باعث ننگ و عار رہا ہے۔ (ص 60)

☆ اور (مولف زلزلہ نے) ایک خالص اسلامی کلام میں کفر کے معنی ڈال کر ابلیس کی ذریت کو بڑھا کر اپنا حلقہ وسیع کرنے کی ایک ذلیل اور ناخدا ترس حرکت کی ہے۔ (ص 90)

☆ ارشد القادری کا جاہلانہ فیصلہ۔ (ص 92)

☆ اپنی جہالت کی ایک شرمناک مثال پیش کی ہے۔ (ص 95)

☆ قادری صاحب کے مکرو فریب کے انبار میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ (ص 125)

☆ مولف کے اس قاعدہ میں کس قدر جہالت و سفاہت ٹپکتی ہے۔ (ص 35)

☆ ان حضرات کو بدنام کرنے کی ذلیل و جاہلانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ (ص 258)

یہ ہے وہ زبان جو دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے سایہ میں پروان چڑھی ہے۔ اور ماتم یہ ہے کہ مہذب گالیوں پر مشتمل یہ زبان اس کتاب کے جواب میں استعمال کی گئی ہے جس کی زبان و بیان کی شرافت و پاکیزگی کا دیوبندی جماعت کے اصاغر و اکابر سبھی نے اعتراف کیا ہے۔ فاعتبر و ایا اولی البصار

2. زلزلہ کی تصویر کے پہلے اور دوسرے رخ میں دیوبندی لٹریچر سے جن کتابوں

کے حوالے دیئے گئے تھے، جواب میں مفتیان دیوبند نے ان میں سے کسی کتاب کے متعلق یہ نہیں کہا ہے کہ وہ ہماری کتاب نہیں ہے یا ہم اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس طرح انہوں نے واضح طور پر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ زلزلہ میں جن بنیادوں پر ان کے خلاف الزامات قائم کئے گئے ہیں وہ قطعاً صحیح اور واقعہ کے عین مطابق ہیں۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ ان پر الزامات کی بنیاد بھی رکھی جاسکتی ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ آنے والے اوراق کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ خود ہی کر لیں گے۔

3. جواب میں تضاد کا الزام اٹھانے کے بجائے مفتیان دیوبند نے تصویر کے دوسرے رخ میں بیان کردہ واقعات کو دلائل و براہین سے صحیح ثابت کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ لیکن اپنے بزرگوں کی عقیدت کے خمار میں یہ نکتہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے کہ ان کتابوں میں صرف واقعات ہی نہیں بلکہ عین مخالف سمت میں ایک مسلک بھی ہے۔ اس طرح انہوں نے زلزلہ کے موقف کی تائید میں اتنے مواد جمع کر دیئے ہیں کہ مجھے ان کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔

علم و فن کی تاریخ میں ”انکشاف“ نام کی یہ پہلی کتاب ہے جس نے ”دوست“ کا نہیں ”دشمن“ کا دفاع کیا ہے اب اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ کتاب مرتب کرنے والوں میں تحسینی شعور اور فکری بصیرت کا فقدان تھا یا پھر انہوں نے زلزلہ کے الزامات کا گہرا مطالعہ کئے بغیر صرف مصنف بننے کے شوق میں ایک کتاب لکھ ڈالی ہے۔

زلزلہ کا موقف یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے حق میں جن عقیدوں کو علمائے دیوبند کفر اور شرک قرار دیتے ہیں وہی عقیدے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں وہ عین اسلام سمجھتے ہیں۔ اسی مفہوم کو تصویر کے پہلے اور دوسرے رخ میں نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

زلزلہ کا یہ موقف ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ انصاف کی مشعل ہاتھ میں لے کر ان دلائل کا بے لاگ مطالعہ فرمائیں جو مفتیان دیوبند نے اپنے بزرگوں میں غیبی مشاہدہ کی قوت ثابت کرنے کے لئے فراہم کئے ہیں۔ آپ کا دل اگر جانب داری کے الزام میں ملوث نہیں ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی

نہیں کریں گے۔
پہلی دلیل

سب سے آگے آپ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت علم و ادراک کے متعلق دیوبندی جماعت کا یہ بنیادی عقیدہ ملاحظہ فرمائیں۔

کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے، یا فلاں کی شادی کب ہوگی یا فلاں درخت کے کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے ستارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے۔

(تقویۃ الایمان ص 85 زلزہ ص 56)

سلیس اردو زبان میں بغیر کسی پیچ و خم کے یہ عبارت اپنا یہ مفہوم واضح کرتی ہے کہ اس بات کا علم کہ فلاں کے دل میں کیا ہے، علم غیب ہے۔ اس بات کا علم کہ فلاں کی شادی کب ہوگی، علم غیب ہے۔ اس بات کا علم فلاں درخت میں کتنے پتے یا آسمان میں کتنے ستارے ہیں، علم غیب ہے اور یہ بھی واضح کرتی ہے کہ ان ساری باتوں کا علم خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ رسول کو ان باتوں کی قطعاً خبر نہیں۔ جو رسول کے لئے اسی طرح کا علم تسلیم کرتا ہے وہ رسول کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے اور اسی کا نام شرک ہے۔

ایک طرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دیوبندی مذہب کا یہ عقیدہ نظر میں رکھئے اور دوسری طرف اپنے بزرگوں کے بارے میں مفتیان دیوبندی کا یہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے۔

دنیا جانتی ہے کہ اکابر دیوبند جیسے حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب، حضرت مولانا محمود الحسن وغیرہ اپنے زمانے کے بڑے عالم و محدث ہی نہیں تھے بلکہ باطنی علوم کے بھی بہت بڑے امین محافظ تھے۔
(انکشاف 24)

جانتے ہیں یہ ”یہ علوم باطنی“ کیا ہیں؟ وہی علوم جو کسی کو مخفیات اور باطنی احوال سے باخبر کرتے ہیں۔ اب ذرا آگے یہی اعتراف صراحت کے ساتھ ملاحظہ

فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ حضرات اکابر اپنے قلوب کے تصفیغے کی وجہ سے انوار تجلیات اور عالم مثال کا بے حجاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا کرتے تھے۔

(انکشاف ص 24)

یعنی بالکل اسی طرح جس طرح ہم اپنے ماتھے کی آنکھوں سے محسوسات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

غور فرمائیے! زلزلہ میں دیوبندی مذہب فکر کے رہنماؤں پر اس کے علاوہ اور ہمارا الزام ہی کیا تھا کہ وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے بارے میں جس قوت مشاہدہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اس سے کم درجے کی قوت بھی وہ رسول کے لئے تسلیم کرنا شرک سمجھتے ہیں۔ یہاں آپ نے اس کا زندہ ثبوت دیکھ لیا اور خدا نے توفیق بخشی تو آنے والے صفحات میں اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

درخت کے پتے آسمان کے تارے شادی کا وقت اور دل کی بات یہ ساری چیزیں اسی عالم محسوسات سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ”نقویۃ الایمان“ کی صراحت کے مطابق رسول کو تو اس عالم محسوسات کی بھی خبر نہیں ہے لیکن گھر کے بزرگوں کے حق میں عقیدے کی زبان یہ ہے کہ وہ نہ صرف عالم محسوسات بلکہ عالم مثال اور عالم تجلیات کا جس کا تعلق عالم غیب سے ہے بے حجاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا کرتے تھے۔ ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ جب تک آنکھوں میں غیب دیکھنے والی قوت موجود نہ ہو عالم غیب کا بے حجاب مشاہدہ کیونکر عمل میں آسکتا ہے۔

اور ستم یہ ہے کہ ہم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپی ہوئی باتوں کا علم خدا کی عطا سے بھی تسلیم کریں تو شرک کے الزام میں لائق گردن زنی ٹھہرائے جائیں۔ جیسا کہ صاحب ”نقویۃ الایمان“ نے صراحت فرمائی ہے کہ ”پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دیئے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوگا۔“

لیکن گھر کے بزرگوں کے بارے میں عقیدے کا یہ تیور آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ

رہے ہیں کہ عالم غیب کے بے حجاب مشاہدہ کی یہ قوت انہیں خدا کی عطا سے نہیں بلکہ قلوب کے تصفیئے کی وجہ سے حاصل ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ہماری مظلومی قابلِ داد ہے یا نہیں؟ ہم شرک کی جڑ کاٹ دیں جب بھی شرک کے الزام سے چھٹکارا نہیں وہ شرک کی آبیاری کریں تو روئے زمین کے سب سے بڑے موحد ہیں۔

اپنے گھر کے بزرگوں میں غیبی قوت مشاہدہ کا جو عقیدہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں، اس کی تائید میں انکشاف کے مصنفین نے آنے والے اوراق میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں ان کا جذبہ طلب بہر حال قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے اپنے بزرگوں میں باطنی علم و ادراک کی قوت ثابت کرنے کے لئے سارے جہاں کی خاک چھان ڈالی ہے کاش اس محنت شاقہ کا ہزارواں حصہ بھی انہوں نے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں صرف کیا ہوتا تو اظہار شکایت کے لئے ”زلزلہ“ نام کی کتاب لکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔

اب عین مخالف سمت میں ایک مسلک کے ہوتے ہوئے انکشاف کے مصنفین کو ان دلائل سے کیا فائدہ پہنچا ہے یہ تو آنے والے صفحات ہی بتائیں گے لیکن دلائل فراہم کر کے وہ اس رخ سے ضرور بے نقاب ہو گئے ہیں کہ اپنے گھر کے بزرگوں کو غیبِ داں ثابت کرنے کے لئے وہ رائی کا پہاڑ بنا سکتے ہیں۔ لیکن اپنے رسول کے مقامِ علم و ادراک کے سوال پر سامنے کا پہاڑ بھی انہیں نظر نہیں آتا۔

دوسری دلیل

”اصطلاحات صوفیہ“ نام کی کسی غیر معروف کتاب کے حوالے سے اپنے بزرگوں میں غیبی مشاہدہ کی قوت ثابت کرنے کے لئے مفتیان دیوبندی کی یہ دوسری دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

”پوشیدہ باتوں کا معلوم کرنا کشف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ کشف صغریٰ، کشف کبریٰ، کشف صغریٰ کو کشف کوئی بھی کہتے ہیں۔ یعنی سالک اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان، ملائکہ، ارواح، اہل قبور، عرش

کر سی 'لوح محفوظ الغرض دونوں جہاں کا حال معلوم کر لے اور مشاہدہ کر لے۔ (اصطلاحات صوفیہ ص 136 'انکشاف ص 35)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکنے کی بات ہے یا نہیں؟ اگر اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں یہ عقیدہ قرآن و سنت کے مطابق ہے کہ وہ اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان 'ملائکہ ارواح اہل قبور' عرش کر سی 'لوح محفوظ الغرض دونوں جہاں کے احوال معلوم کر لیتے ہیں تو پھر آپ ہی بتائیے کہ اس کے بعد اب کون سا علم باقی رہ جاتا ہے جس پر شرک کا حکم لگایا جائے گا۔

حالات کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف تو یہ حضرات قلبی توجہ سے دونوں جہاں کی پوشیدہ باتوں کے معلوم کر لینے کی لامحدود قوت اپنے گھر کے بزرگوں میں تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف امام الانبیاء کے حق میں عقیدے کی زبان یہ استعمال کرتے ہیں کہ :-

کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے 'فلاں کی شادی کب ہوگی۔ یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر؟

(تقویتہ الایمان ص 58)

اب اہل انصاف ہی فیصلہ کریں کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تقویتہ الایمان کا یہ عقیدہ اور گھر کے بزرگوں کے لئے مفتیان دیوبند کا وہ تازہ اعتراف 'یہ دونوں مل کر اعتقاد عمل کا تضاد ثابت کرتے ہیں یا نہیں؟

اور ہمیں سے یہ مشہور الزام بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے یا نہیں کہ اپنے بزرگوں کے حق میں وہ کتنے فراخ دل اور اپنے نبی کے بارے میں کس درجے تک نظر واقع ہوئے ہیں۔

شرک ہی سے اگر نفرت تھی تو دونوں جہاں کے احوال کے مقابلے میں صرف دل کی بات 'آسمان کے تارے اور درخت کے پتوں کی کیا حقیقت ہے یہ دونوں جہاں کے

احوال کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہیں لہذا ان چند چیزوں کا علم اگر نبی کے حق میں شرک تھا تو اس سے بھی لاکھ گونہ بڑا شرک اپنے بزرگوں کے حق میں کیونکر گوارا کر لیا گیا۔

اب اس کھلی ہوئی بے انصافی کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے اور بیگانے کا فرق دل ہی تک محدود نہیں رہتا زبان اور قلم کی حدود عمل میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ اب میں نفاق و اخلاص کے اس دور اپنے پر آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا فیصلہ چاہوں گا۔
ایک مغالطہ کا جواب

مفتیان دیوبند اور ان کی جماعت کے دیگر مصنفین نے ”زلزلہ“ کے الزامات سے گلو خلاصی کے لئے بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے انبیاء اولیاء کے لئے ”علم غیب“ کا انکار کیا ہے کشف کا انکار نہیں کیا ہے اور ہمارے بزرگوں کے متعلق جو واقعات ہماری کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں ان کا تعلق کشف سے ہے علم غیب سے نہیں اس لئے ہمارے اعتقاد عمل کے درمیان تضاد کا الزام قطعاً بے بنیاد اور غلط ہے۔

اس مغالطہ کا تفصیلی جواب تو ہم دوسرے باب میں دیں گے یہاں اختصار کے ساتھ صرف اتنا اشارہ کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل دیوبند کے درمیان اصل جھگڑا چھپی ہوئی باتوں کے علم کا ہے۔ اس بات کا نہیں کہ اس علم کو کشف کہا جائے گا یا علم غیب؟ تاہم اس وضاحت کے بعد بھی اگر دیوبندی مصنفین کو اس بات پر اصرار ہے کہ ”علم غیب“ کا لفظ ہی بنائے اختلاف ہے اور کسی دوسرے الفاظ میں چھپی ہوئی باتوں کے علم کا کوئی مدعی ہو تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے تو میں عرض کروں گا کہ تقویتہ الایمان آپ ہی کے گھر کی کتاب ہے اس کی اس عبارت کو حکم مان لیجئے۔ ہمارا آپ کا فیصلہ آسانی سے ہو جائے گا۔ وہ عبارت یہ ہے۔

سو جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلہ میں اس کی دہائی دیوے اور دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے یا شغل کرے یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یاد دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہ ہیں

اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری، تندرستی و کشائش و تنگی و مرنا و جینا، غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے تو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے

اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔ (تقویتہ الایمان ص 10)

بتائے اس عبارت میں علم غیب کا لفظ کہاں ہے۔ اگر چھپی ہوئی باتوں کا علم بنائے اختلاف نہیں ہے تو شرک کس چیز پر لگایا گیا ہے اور عبارت میں اس امر کی بھی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ ان چھپی ہوئی باتوں کا علم کشف کے ذریعہ ہو تو جائز ہے اور علم غیب کے ذریعہ ہو تو شرک ہے بلکہ شرک کا جو حکم بھی لگایا گیا ہے چھپی ہوئی باتوں کے علم پر لگایا گیا ہے جو کشف کو بھی شامل ہے اور علم غیب کو بھی۔ لہذا یہ کہنا کہ کشف کے ذریعہ چھپی ہوئی باتوں کے علم کا دعویٰ ہم جائز سمجھتے ہیں اپنے اکابر کے مسلک سے کھلا ہوا انحراف ہے اور اسی کا نام اعتقاد و عمل کا تضاد ہے۔

یہی الزام زلزلہ میں بار بار دہرایا گیا ہے لیکن آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اس الزام کو اٹھانے کے بجائے مفتیان دیوبند مختلف طریقوں سے اس الزام کی توثیق فرما رہے ہیں۔ اب اس بحث کے اخیر میں ”اصطلاحات صوفیہ“ والی عبارت پر ذرا دیوبند کے مدیر تجلی کا بھی تبصرہ پڑھ لیجئے کہ وہ گھر کی آواز ہے۔ انکشاف پر تبصرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

اس کا مطلب یہ ہے کہ فقط بریلویوں ہی کے نزدیک نہیں دیوبندیوں کے نزدیک بھی سالک کی قلبی توجہ کی زد اور حیطہ عمل سے عرش و کرسی اور لوح محفوظ بھی باہر نہیں ہیں۔ دونوں جہان کا حال صرف معلوم ہی نہیں کرتا، مشاہدہ بھی کرتا ہے۔

ہم اساتذہ دیوبند سے دریافت کرتے ہیں کہ قرآن و سنت میں اس کی کیا بنیاد ہے۔ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش فرمائیے جس سے اس دعوے اور رائے کی تصدیق ہو سکے۔ (تجلی بابت نمبر 74ء ص 79)

تیسری دلیل

پچھلے صفحات میں اصطلاحات صوفیہ کے حوالہ سے آپ مفتیان دیوبند کا بیان پڑھ چکے ہیں کہ کشف کی دو قسمیں ہیں۔ کشف صغریٰ، کشف کبریٰ، صغریٰ کا حال پڑھ چکے ہیں۔ اب کبریٰ کا حال پڑھئے۔
ارشاد فرماتے ہیں۔

کشف کبریٰ اس کو کشف الہی بھی کہتے ہیں۔ یعنی ذات حق سجانہ کا مشاہدہ اور معائنہ ہو جانا اور جملہ حجابات اور اعتبارات کا اٹھ جانا اور نور بصیرت سے خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا۔ سالک کا مقصود اصلی یہی کشف ہے۔ (اصطلاحات صوفیہ ص 120 انکشاف ص 36)

مفتیان دیوبند اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمادیتے ہیں۔
اس واضح تفصیل سے آپ کے شبہات یقیناً زائل ہو گئے ہوں گے۔
اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اکابر دیوبند بلکہ تمام اولیاء اللہ کشف کبریٰ ہی کو دراصل حصول مقصد سمجھتے ہیں اور اس کشف صغریٰ کو صرف مفید قرار دیتے ہیں۔ (انکشاف ص 37)

اس تحریر سے اپنے اکابر کے متعلق مفتیان دیوبند کا یہ موقف اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ان کے اکابر کشف صغریٰ اور کشف کبریٰ دونوں ہی مقام پر فائز تھے البتہ صغریٰ کو صرف مفید سمجھتے تھے لیکن کبریٰ کو اصل مقصود قرار دیتے تھے۔

اب یہ سوال اپنی جگہ پر ہے کہ آب و گل کی اس دنیا میں خدا کی ذات کا معائنہ اور مشاہدہ کرنا کیا یہ شرعاً کسی انسان کے لئے ممکن بھی ہے؟ لیکن مبارک ہو مفتیان دیوبند کو کہ جو مدعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو در خواست کے باوجود حاصل نہ ہو سکا وہ انہوں نے اپنے اکابر کے لئے بغیر کسی زحمت کے تسلیم کر لیا۔

کشف کبریٰ کی تفصیل پڑھ کر ایک سوال اور دماغ کی سطح پر ابھرتا ہے کہ سلوک کی اس منزل میں جملہ حجابات ہی جب اٹھ گئے تو اب سالک کی نظر سے کون سی چیز مخفی رہ گئی۔

یہی سوال زلزلہ میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ سلوک کی منزل کے ایک عام مسافر کی قوت کشف کا جب یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ سارے حجابات اس کی نگاہوں سے اٹھ جاتے ہیں تو اس منزل کے میرکارواں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کشف کا کیا عالم ہوگا۔ لیکن آپ دیوبندی ذہن کی اس بوالعجبی پر سینہ پیٹ کر رہ جائیں گے کہ وہ پیغمبر اعظم کے حق میں ہزار فہمائش کے باوجود یہ قوت کشف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یقیناً لاکھوں مکاشفات بغیر کسی ریاضات و مجاہدات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ممکن ہیں۔ مگر یہ چیزیں وجود پذیر بھی ہوئی اس کا کیا ثبوت؟ اور بغیر ثبوت کے اس پر عقیدہ کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے جب کہ عقیدہ کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔
(انکشاف ص 165)

جملہ حجابات کا اٹھ جانا اگر سلوک کی اس منزل ہی کا فیضان ہے تو اب اصل سوال یہ ہے کہ خود پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام بھی اس منزل سے گزرے ہیں یا نہیں اگر گزرے ہیں اور یقیناً اس منزل سے گزر چکے ہیں تو جملہ حجابات کے اٹھ جانے کے لیے کیا اتنا ثبوت کافی نہیں ہے؟

عقیدت کا اندھا پن گمراہی کا بہت مشہور آزار ہے لیکن اتنی مدہوشی شاید ہی کہیں دیکھنے میں آئی ہو کہ گمر کے بزرگوں کے حق میں دونوں جہاں کا بے حجاب مشاہدہ ثابت کرنے کے لیے مفتیان دیوبند نے ایک غیر مستند اور عوامی سطح کی کتاب کی عبادت کو نصوص کا درجہ دیا ہے۔ علم کے ایوانوں میں جہل کی یہی پذیرائی رہی تو کچھ عجب نہیں کہ کل یہ لوگ اسلام کے بنیادی مسائل پر بحث کرنے کے لئے ”قصہ چہار درویش“ کو استدلال میں پیش کر دیں اور یہ امر بھی محسوس کرنے کے قابل ہے کہ دوسروں کے مکاشفات کے ثبوت کے لئے ان کے یہاں دلیل کا کوئی معیار نہیں ہے۔

اور مجھے سخت تعجب ہے مرکزی دارالافتاء کے ان مسند نشینوں پر کہ انہوں نے بغیر کسی چون و چرا کے ”اصطلاحات صوفیہ“ کی اس عبارت کو کہ ”نور بصیرت سے خلق کو































































































































































































































THE
LIBRARY OF THE
MUSEUM OF MODERN ART



1929
NEW YORK











































1917

1917





THE
JOURNAL
OF
THE
ROYAL
ANTHROPOLOGICAL
INSTITUTE



PUBLISHED
BY THE
INSTITUTE

LONDON
PRINTED BY
THE
JOURNAL
OF
THE
ROYAL
ANTHROPOLOGICAL
INSTITUTE



























































